Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE
Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 10, No 02
April to June 2026
Page No: 110 -124

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2026.100249

HISTORY OF THE PAPER
Received on: April 13, 2026
Accepted on: May 30, 2026
Published on: June 30, 2026

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

The Influence of Pashto Culture on the Urdu Ghazals of Ahmad Faraz and Qateel Shifai

احمد فراز اور قتیل شفائی کی اُردو غزل پر پشتو ثقافت کے اثرات

AUTHOR(s)

Maryam Anwar
PhD Scholar, Department of Urdu and Eastern Languages
Govt. College University, Faisalabad
Dr Saima Iqbal (Correspondence Author)
Assistant Prof, Department of Urdu and Eastern Languages
Govt. College University, Faisalabad

ABSTRACT

The interconnectedness between Ahmad Faraz, Qateel Shifai, and Pashtun culture is remarkably deep, historical, and multidimensional. The Pashtun region has long remained an important centre of Persian and Urdu literary activity, where diverse cultural, linguistic, and intellectual traditions have interacted over centuries. This rich cultural background significantly influenced the poetic imagination of both Ahmad Faraz and Qateel Shifai. Through its distinctive ethos, social values, historical consciousness, and geographical environment, Pashtun culture introduced a particular sense of emotional intensity, courage, resistance, dignity, and individuality into their Urdu ghazals. Both poets reinterpreted the traditional themes of love, separation, beauty, suffering, and social injustice through cultural values associated with Pashtunwali. Concepts such as honour (ghairat), bravery, self-respect, loyalty, hospitality, freedom, and attachment to homeland became important dimensions of their poetic expression. These elements not only strengthened the emotional and ideological depth of their poetry but also expanded the thematic boundaries of the Urdu ghazal. Consequently, their poetry reflects a meaningful synthesis of classical Urdu conventions and the distinctive cultural identity of the Pashtun region.

KEY WORDS

Pashtun Culture, Pashtunwali, Honor and Valor, Self-Respect and Patriotism, Ahmad Faraz, Qateel Shifai, Urdu Ghazal, Thematic Horizon, Literary Traditions

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

احمد فراز اور قتیل شفائی کی اُردو غزل پر پشتو ثقافت کے اثرات

انسان معاشرتی و ثقافتی مخلوق ہے یہی ماہیت اسے دیگر جانداروں سے ممتاز کرتی ہے۔ بعض جانداروں میں اجتماعی زندگی، اہم ضرورتوں کی تکمیل اور عام ابلاغ بھی موجود ہیں مگر انسان کو تمام جانداروں میں الگ شناخت بخشنے والا عنصر علامتی ابلاغ کی قابلیت ہے۔ یہ ایسی مہارت ہے جو متعدد مظاہر کو کسی دوسری چیز کی ترجمانی کے لیے بطور علامت وضع کر سکتی ہے۔ اسے نسل در نسل منتقل کر سکتی ہے۔ اور اس میں وقت کے لحاظ سے تبدیلی بھی لا سکتی ہے یہی علامات (زبان، سائنسی علوم، ریاضی اور فنون) معنی اخذ کرنے، چیزوں کے مابین تعلقات کو نام دینے، تصورات تشکیل دینے اور واقعات کی وضاحت کا سبب بنتی ہیں۔ یہ معنوی نقوش انسان کی منظم سوچ اور بیان طلبی کی تسلی کرتے ہوئے تجربات کو آسان بنا کر، انتشار و خلفشار میں ربط پیدا کرتے اور تعلیم و تربیت کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ اسی سمجھ بوجھ، مفہوم سازی اور پیچیدہ ترسیلی ڈھانچے کا نام ثقافت ہے۔ پروفیسر ہیری ایل شیپرو ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "حقیقت میں ثقافت ایک ایسے اکتسابی طرزِ عمل کا نام ہے جس کے دائرہ کار میں ہماری وہ تمام عادات، عملی رویے، فکری خیالات اور معاشرتی اقدار سمائی ہوئی ہوتی ہیں جنہیں ہم بحیثیتِ مجموعی کسی منظم معاشرے، گروہ یا خاندان کے فعال رکن کی صورت میں عزیز رکھتے ہیں، جن پر عملی طور پر کاربند رہتے ہیں، یا جنہیں اپنانے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کی دلی آرزو رکھتے ہیں۔"(۱)

ثقافت اجتماعی طرزِ زندگی میں وہ جملہ کل ہے جو معاشرتی تعلیم اور اجتماعی تجربے سے وجود پا کر فرد کو اجتماعی ساخت سے جوڑتی ہے۔ اور پشتو زبان و ثقافت برصغیر اور افغانستان کے وسیع پہاڑی خطے کی ایک قدیم اور توانا روایت ہے، جس کا مرکز موجودہ خیبر پختونخوا اور افغانستان کے مختلف علاقے ہیں۔ پشتون معاشرت کی بنیاد اس ضابطہ حیات پر استوار ہے جسے "پختونوالی" کہا جاتا ہے، جو مہمان نوازی، غیرت بدلہ اور جرگے کی روایت جیسے اصولوں پر مبنی ہے۔ پشتو ادب کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی زبانی و شفاہی شاعری ہے خصوصاً سپہ "اور لنڈی" جیسی مختصر لیکن جذباتی طور پر گہری اصناف جن میں محبت جدائی جنگ اور وفا کے موضوعات نہایت سادہ مگر پر اثر انداز میں بیان ہوتے ہیں۔ کلاسیکی پشتو شاعری کی بنیاد سترہویں صدی میں خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا جیسے شعرا نے رکھی جنہوں نے فارسی اور عربی کی مشترکہ ادبی روایت سے فیض حاصل کرتے ہوئے پشتو غزل کو ایک مستحکم صنف کے طور پر متعارف کرایا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

پشتونولی درحقیقت پشتون قوم کے مکمل اور ھمہ گیر ضابطۂ حیات کا نام ہے، اور ہر پشتون فخر کے ساتھ اس روایتی طرزِ عمل سے وابستگی محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ 'پشتو' بنیادی طور پر ایک خطے کی زبان کا نام ہے، تاہم یہ لفظ وسیع تر مفہوم میں پشتونوں کے رہن سہن، اخلاقیات اور زندگی بسر کرنے کے تمام اسالیب کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان (پشتو)، قوم (پشتون) اور ان کا ضابطۂ حیات (پشتونولی) ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پشتونولی ایک ایسے منفرد طرزِ حیات کا احاطہ کرتی ہے جس میں معاشرتی زندگی کے ہر شعبے اور معاملے کے لیے واضح ضوابط موجود ہیں۔ عموماً حقیقی معنوں میں وہی شخص پشتون کہلانے کا مستحق قرار پاتا ہے جو ان روایتی قوانین واقدار کی نہ صرف پاسداری کرتا ہو بلکہ ان کے عین مطابق اپنی زندگی گزارنے کی عملی صلاحیت اور اہلیت بھی رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالقادر اپنے مقالہ "فلسفہ پشتو" میں لکھتے ہیں:

> ''پشتو ایک ایسی معروف زبان ہے اور اسی نسبت سے یہ زبان بولنے والے خطے کے باسی اسمِ صفت کے طور پر 'پشتون' کہلاتے ہیں۔ روایتی عقائد اور ثقافتی روایات کے مطابق، پشتو کا دائرہ کار محض گفتگو کے ایک وسیلے تک محدود نہیں ہے، بلکہ زبان اس کا صرف ایک ظاہری پہلو ہے۔ یہ زبان بولنے والے اس لفظ 'پشتو' کو اپنے طرزِ حیات اور زندگی کے تمام بنیادی حقائق پر حاوی مانتے ہیں۔ پشتون معاشرے میں ہر اس اعلیٰ خصلت اور اچھے رویے کو 'پشتو' کا نام دیا جاتا ہے جس کی بنیادی تعریف اسلامی اخلاق کے دائرے سے متعین ہوتی ہے۔ یہاں اخلاق سے مراد وہ بلند اقدار ہیں جنہیں عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے، اور جن کا مقصد بنی نوع انسان کی زندگی کے سفر کو اس ڈھنگ سے ہموار کرنا ہے کہ انسان حقیقی معنوں میں انسانیت، علم وفضل، باہمی صلح اور ھمہ گیر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔''(۲)

وہ گراں قدر اخلاقی اقدار جن سے پشتون معاشرے کا خمیر اٹھتا ہے اور جن کی بدولت ان کا اخلاقی کردار تشکیل پاتا ہے، ان میں 'پت' (عزت)، ' خیگرو' (بھلائی)، 'تورہ' (بہادری)، 'وفا'، 'ننگ' (سخاوت)، جرأت و شجاعت، میدانِ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانا، غیرت و حمیت، حق گوئی کا حوصلہ، انتقام کے معاملے میں استقامت، مصائب میں صبر کی تلقین، مہمان نوازی، مسافروں، مفلسوں اور حاجت مندوں کے لیے فیاضی، صداقت، خوشامد سے اجتناب، ایفائے عہد، قبیلے سے وابستگی، نسلی وقبائلی برتری کا احساس، اور برابری کی سطح پر باہمی مشورے یعنی 'جرگہ' کے احترام جیسے عناصر نمایاں طور پر شامل ہیں۔ ان تمام اوصاف کو اجتماعی طور پر 'غیرت' کے نام سے پکارا

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

جاتا ہے۔ انہی امتیازی خصوصیات نے پشتونوں کے ہاں ایسے متعدد تمدنی اداروں اور روایات کو جنم دیا ہے جو اس خطے کے باسیوں کو دیگر تمام ثقافتوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، ان اقدار کی نفی کرنے والے عناصر—مثلاً بزدلی، بے وفائی، بے غیرتی، اور کنجوسی جیسی خصلتیں—پشتونولی کی ضد سمجھی جاتی ہیں۔

پشتون معاشرے میں خودداری اور عزتِ نفس کا جذبہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں وہ زندگی کی عزیز ترین متاع کو بھی ہیچ سمجھتے ہیں۔ غالباً یہی وہ بنیادی فکری احساس ہے جو انہیں اپنے روایتی معیارات اور بلند اقدار سے انحراف کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اور گر کر زندہ رہنے کے بجائے باوقار موت کو ترجیح دلاتا ہے۔ تاہم، ان اقدار میں افراط و تفریط کے رجحانات بعض اوقات منفی اور تباہ کن اثرات کا بھی باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، روایتی انتقام کا جو تصور یہاں پایا جاتا ہے، وہ درحقیقت اسی 'غیرت' کے جذبے میں پائے جانے والے توازن کے فقدان کا نتیجہ ہے، جو بسا اوقات اسلامی اصولوں اور اخلاقیات کے دائرے سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ پشتون معاشرے کے دستور کے مطابق، اگر کسی فرد کو قتل کر دیا جائے تو اس کے ورثا محض اصل قاتل پر اکتفا کرنے کی بجائے اس کے پورے خاندان میں سے کسی ایسے بااثر اور مستحکم فرد کو نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے متعلقہ قبیلے یا خاندان کی کمر ٹوٹ جائے۔ عموماً یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ایک جان کے بدلے کئی افراد کے قتل کا طویل اور خونی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔

اسی تناظر میں پشتون کلچر میں رائج قبیح رسم 'سورہ' کا جائزہ لیا جاسکتا ہے، جو کہ ایک سراسر غیر اسلامی اور غیر انسانی روایت ہے، لیکن اس کے باوجود اسے محض انا کی تسکین اور عصبیت کے لیے معصوم بچیوں کی زندگیوں کی بھینٹ چڑھا کر پورا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا تاریخی پس منظر یہ رہا ہے کہ ابتدائی ایام میں اس قسم کی بعض رسومات معاشرے میں امن کی بحالی اور دو متحارب فریقوں کے مابین صلح کرانے کی غرض سے وجود میں آئی تھیں۔ اس دور میں اس کے مثبت نتائج بھی سامنے آتے تھے، جن کی بدولت طویل اور خونی جنگوں کے سلسلے تھم جاتے تھے، دشمنی کے حریف خاندان آپس میں شیر و شکر ہو جاتے تھے، اور دیرینہ عداوتیں رشتہ داریوں اور دوستی میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ تاہم، عصرِ حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں اس طرح کی فرسودہ اور ظالمانہ رسومات کے نتائج انتہائی بھیانک، ظالمانہ اور معاشرتی بگاڑ کا سبب بن رہے ہیں۔ اس سلسلے میں راج ولی شاہ خٹک لکھتے ہیں:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

”پشتون اقدار کی قدر و قیمت اور ان کے اثرات کے متعدد فکری اور عملی پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہ روایتی اقدار نہ صرف کثرت میں زیادہ ہیں بلکہ اپنے اندر مثبت اور منفی دونوں طرح کے عناصر بھی رکھتی ہیں۔ ہر وہ قدر جو مثبت دائرے سے تعلق رکھتی ہے، وہ معاشرے میں امن، سکون اور رواداری کی ایک صحت مند فضا پروان چڑھاتی ہے، جو کہ دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں سے بھی پوری طرح ہم آہنگ تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس، ان کی بعض منفی اقدار اور شدت پسندانہ رویے حقیقی مفہوم کو اس حد تک مسخ کر دیتے ہیں کہ بعض اوقات عوامی سطح پر 'پشتو' کے بارے میں انتہائی تلخ مقولات تک کہے جاتے ہیں۔ یہ تمام مثبت اور منفی قدریں درحقیقت عمل کی ایک طویل اور مسلسل تاریخی روایات رکھتی ہیں، جو نسل در نسل سفر کرتی ہوئی ایک گہرے تاریخی تسلسل کا مظہر بنی ہوئی ہیں۔“(۳)

اگرچہ عمومی طور پر پشتونولی کو بے شمار مثبت اقدار اور اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کا مجموعہ تسلیم کیا جاتا ہے، اور اس ضابطۂ اخلاق کے محاسن ان گنت ہیں، تاہم اس کی بعض انتہا پسندانہ جہتوں نے ان خوبیوں کے بطون میں کچھ ایسی خرابیاں بھی پیدا کر دی ہیں جنہیں خود پشتون معاشرہ بھی دلی طور پر پسند نہیں کرتا۔ اس کے باوجود، محض سماجی دباؤ، رسوم و رواج کے خوف اور معاشرتی طعنوں سے بچنے کی مجبوری کے تحت ان منفی اور نقصان دہ اقدار کی پاسداری بدستور جاری رکھی جاتی ہے۔

احمد فراز کی اردو غزل پر پشتو زبان و ثقافت کے اثرات کو کئی سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ پشتو ان کی مادری زبان تھی اور وہ پختونخوا کے قبائلی و روایتی ماحول میں پلے بڑھے اس لیے ان کی شخصیت میں پختون ولی کے بنیادی اقدار یعنی خودداری، غیرت، بے باکی، مہمان نوازی اور اصولوں پر ڈٹ جانے کا جذبہ رچا بسا ہوا تھا۔ یہی اقدار ان کی مزاحمتی شاعری خصوصا" محاصرہ جیسی نظموں اور ان کے بغاوتی لہجے کی غزلوں میں واضح طور پر جھلکتی ہیں جہاں وہ آمریت کے سامنے جھکنے سے انکار کو ایک قبائلی سرداری وقار کے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ پختون معاشرت میں شاعری زبانی روایت اور محفلوں کے ذریعے پروان چڑھتی ہے جس کا اثر ان کے کلام کی ترنم ریزی، لے اور موسیقیت پر نظر آتا ہے۔ ان کی غزلیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ گائے جانے کے لیے بھی خاص طور پر موزوں محسوس ہوتی ہیں جو پختون ترانا گوئی اور لنڈے جیسی مقامی شاعرانہ اصناف کے مزاجی قربت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، پختون ثقافت کی سادگی اور راست گوئی نے بھی ان کے اسلوب کو متاثر کیا یعنی انہوں نے فارسی کی ثقیل تراکیب سے گریز کر کے سادہ، بے تکلف اور دلی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

زبان اپنائی، جیسے پختون روایت میں کھری اور بے لاگ بات کہنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ان کے والد سید محمد شاہ برق کوہاٹی کا اردو و فارسی شاعر ہونا بھی اس امتزاج کی ایک کڑی ہے، جس نے فراز کو مقامی اور کلاسیکی دونوں روایتوں سے یکساں فیض یاب ہونے کا موقع دیا۔

اُدھر کی آگ ادھر بھی پہنچ نہ جائے کہیں
ہوا بھی تیز ہے جنگل قریب شہر بھی ہے(۴)

یہ شعر احمد فراز کی فکر اور تخلیقی حسیت کا ایک شاہکار نمونہ ہے جس میں وہ خیبر پختونخوا اور اس سے ملحقہ پشتون خطے کے مخصوص سیاسی، جغرافیائی اور تمدنی حالات کو اردو غزل کے روایتی پیرائے میں نہایت مہارت سے ڈھالتے ہیں۔ اردو غزل پر پشتون ثقافت کے اثرات اور سرحدی شعرا کی فکری جہات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس شعر میں پشتون تمدن کی دو بنیادی خصوصیات جنگ و جدل کی تاریخ سے جڑا تحفظ کا احساس اور اپنی مٹی و بقا سے شدید وابستگی نمایاں طور پر ابھرتی ہیں۔ پشتون خطہ تاریخی طور پر ایک ایسا جغرافیائی درہ اور بارڈر زون رہا ہے جو بیرونی حملہ آوروں، علاقائی تصادم اور سامراجی کشمکش کا میدان بنا رہا۔ اس شعر میں جنگل، شہر، آگ اور تیز ہوا کے استعارے صرف محض قدرتی مظاہر یا روایتی عاشقانہ استعارے نہیں ہیں بلکہ یہ اس سرحد پار جلتی آگ اور جنگی ماحول کی طرف واضح اشارہ ہیں جس کی لپیٹیں پشتون باسیوں کے پر امن شہروں اور بستیوں کو ہمیشہ سے دھمکاتی رہی ہیں۔ احمد فراز نے اس پشتون تجربے کو، جو بارود کی بو، قبائلی سرحدوں کی حساسیت اور بیرونی خطرات سے ہم آہنگ ہے، اردو غزل کی نازک بالشتی فضا میں شامل کر کے غزل کو ایک نیا تمدنی اور سیاسی وقار بخشا ہے۔

اسلوبیاتی اور لسانی اعتبار سے بھی یہ شعر اردو غزل میں پشتون لہجے اور فکری صلابت کی بہترین مثال ہے۔ پشتون شعرا کی اردو شاعری میں ایک مخصوص بے باکی، سیدھا سادھا بیانیہ اور محاصرے میں گھری قوم کا جرات مندانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ پایا جاتا ہے۔ فراز کا یہ شعر کسی مصنوعی پیچیدگی کی بجائے ایک نہایت صاف، ٹھوس اور پر تاثیر انداز میں بیان ہوا ہے، جو پشتون مزاج کی سادگی اور سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ غزل کے پیرائے میں پشتون کلچر کے سیاسی و تاریخی المیے کو یوں سمونا سرحدی شعرا کا وہ گرانقدر عطیہ ہے جس نے اردو شاعری کو خوابناکی سے نکال کر زمینی حقائق کے روبرو کیا۔ اس شعر کی وضاحت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی طرح پشتون ثقافت کے جغرافیائی حالات، خطرات کی موجودگی اور بیداری مغز نے اردو غزل کو روایتی گل و بلبل کے مضمون سے نکال کر سیاسی و معاشرتی بصیرت سے مالامال کیا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

دیکھو اک صورت نے دل میں کیسی جوت جگائی
کیسا سجا لگتا ہے شہر ملال کسی سے[۵]

بر صغیر پاک و ہند کی شعری روایت، خصوصاً اردو غزل نے ہمیشہ سے مختلف علاقائی ثقافتوں، زبانوں اور تہذیبی دھاروں کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔ خیبر پختونخوا اور پشتون تہذیب کا جب اردو ادب سے ملاپ ہوا، تو پشتو کی مخصوص المیہ پسندی، حزن اور غیرت و حمیت کے تصورات نے اردو غزل کے روایتی ایمائیت اور نازک خیالی میں ایک نیا آہنگ پیدا کیا۔ زیر بحث شعر میں شہر ملال کی اصطلاح اور غم کے ساتھ کسی کی یاد یا محبت کے سجنے کا جو خیال ہے، وہ دراصل پشتون ثقافت کے اس المیہ و جمالیاتی فلسفے کا آئینہ دار ہے جہاں حزن، ملال اور حسرت کو رسوائی یا کمزوری کے بجائے ایک پر وقار اور حسن آفریں جذبے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ پشتو کی روایتی ٹپے اور لنڈئی میں بھی یہی کیفیت ملتی ہے کہ دکھ صرف دل کو توڑتا نہیں بلکہ عاشق کی شخصیت اور اس کے اطراف کے ماحول کو ایک خاص قسم کی وقار اور خوبصورتی بخشتا ہے۔

ادبی و تحقیقی نقطہ نظر سے اردو غزل نے جب خیبر کی وادیوں میں قدم جمائے تو پشتو زبان کے محاورے، اس کی جرات مندانہ ایمانداری اور المیہ جمالیات نے اردو غزل کے اسلوب کو مزید ٹھوس اور پر تاثیر بنایا۔ پشتو ثقافت کا غزل پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اردو شاعری کو غم کو برداشت کرنے کے بعد اس سے حسن کشید کرنے کا نیا شعور دیا۔ اس شعر میں جوت جگانا اور شہر ملال کا سجنا دراصل اسی ثقافتی اثر کی عکاسی کرتا ہے، جہاں غم اور ملال کسی بوجھ کی مانند نہیں جن سے چھٹکارا پایا جائے، بلکہ وہ تو محبوب کی نسبت سے روح کی زیبائش بن جاتے ہیں۔ اس طرح پشتو ثقافت کے اثرات نے اردو غزل کو ایک ایسا المیہ افق عطا کیا جس میں غم انسان کو توڑتا نہیں بلکہ اس کے اندر ایک نئی روشنی، شائستگی اور جمالیاتی رچاؤ پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اردو غزل پر پشتون فکر کا عکس پڑتا ہے تو ملال کی ویرانیاں بھی حسن خیال سے منور اور آراستہ نظر آنے لگتی ہیں۔

کب ہم نے کہا تھا ہمیں دستار و قبا دو
ہم لوگ نواگر ہیں ہمیں اذن نوا دو[۶]

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

احمد فراز کا تعلق خیبر پختونخوا کی سرزمین سے تھا جہاں کی مٹی میں خودداری، غیرت اور جابر کے سامنے نہ جھکنے کا عصر رچا بسا ہے۔ پشتون ثقافت اور پختون ولی کے ضابطہ حیات میں مادی مراعات، سرکاری منصبی یا ظاہری جاہ و جلال کی خاطر اپنی حریت فکر اور بھرے ہوئے جذبات کا سودا کرنا شدید ترین عیب سمجھا جاتا ہے۔ پشتونوں کی تاریخی اور نفسیاتی ساخت میں حاکم وقت کے سامنے گڑگڑانے یا اس کے عطا کردہ خلع وانعام پر قناعت کرنے کے بجائے اپنی بات مکمل بیباکی سے کہنے کو اصل وقار ماننا شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فراز اردو غزل کے فریم ورک میں بات کرتے ہیں تو وہ کسی دربار کے محتاج یا صلے کے طلبگار نظر نہیں آتے بلکہ ایک ایسے خوددار پشتون شاعر کے روپ میں ابھرتے ہیں جس کے لیے بولنے کی آزادی اور سچ کہنے کا حق دنیا کی تمام مراعات پر بھاری ہے۔

پیچ رکھتے ہو بہت صاحبو دستار کے پیچ
ہم نے سر گرتے ہوئے دیکھے ہیں بازار کے پیچ(۷)

پشتون ثقافت اور پختون ولی کے روایتی ضابطہ حیات میں دستار صرف لباس کا ایک حصہ یا کپڑے کا ٹکڑا نہیں، بلکہ یہ غیرت، خاندانی وقار، دستار بندی کی روایت اور انا کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن پشتون تاریخ اور ثقافتی روایات میں اس ظاہری دستار کے پیچ و خم سے کہیں زیادہ اہمیت سر کی قربانی اور حرف حق پر قائم رہنے کو دی گئی ہے۔ پشتون کلچر میں سر کو جھکانے کے بجائے سر کٹوا دینے کو معراج شجاعت مانا جاتا ہے۔ احمد فراز کے اس شعر میں حاکموں اور مغرور طبقات کی دستار کے پیچ کا موازنہ بازار کے بیچ کرتے ہوئے سروں سے کیا گیا ہے۔ جب پشتون فکر اردو غزل میں شامل ہوتی ہے تو غزل میں ظاہری دبدبے اور منصبی غرور پر حق و صداقت کی اس عملی قربانی کو فوقیت ملتی ہے، جو پشتون قبائلی و قومی روایات کا بنیادی خمیر ہے۔

یہ کسی عذاب سے خائف مرا قبیلہ ہے
کہ خون مل کے بھی چہروں کا رنگ پیلا ہے(۸)

پشتون ثقافت میں قبیلہ افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی وجود، غیرت اور تحفظ کا نام ہے، جہاں شجاعت، دلیری اور غیر متزلزل سرخ روئی کو سب سے بڑی قدر حاصل ہوتی ہے۔ پشتون معاشرت میں چہرے پر خون ملنا بہادری، میدان جنگ میں ثابت قدمی اور جرات و غیرت کا استعارہ ہے۔ لیکن اس شعر میں شاعر ایک ایسے عمیق المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں قبیلے کے اندر کا اجتماعی خوف اس قدر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

بڑھ چکا ہے کہ شجاعت و بہادری کے تمام ظاہری سوانگ بھی اندرونی بزدلی اور زر دروئی کو چھپانے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ جب پشتون ماحول کا یہ قبیلائی اور رزمیہ استعاراتی نظام اردو غزل میں داخل ہوتا ہے تو غزل صرف عاشق کے ذاتی غم یا حسن و عشق کی دنیا تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ اجتماعی نفسیات، قبیلے کے بگاڑ اور خوف کے خلاف ایک احتجاجی و تجزیاتی شبیہ بن جاتی ہے۔

اس دریا سے آگے سمندر بھی ہے
اور وہ بے ساحل ہے یہ بھی دھیان میں رکھنا(۹)

پشتون ثقافت اور پختون ولی کے تہذیبی کوڈ میں خطرات سے کھیلنے، مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور آرام و آسائش کے بجائے مسلسل جد و جہد کو انسان کا اصل امتحان سمجھا جاتا ہے۔ پشتون جغرافیہ اور تاریخ بذات خود سرکش پہاڑوں، دروں اور بے رحم موسموں سے عبارت رہی ہے جہاں ایک مرحلہ طے کرنے کے بعد اس سے بڑا اور کٹھن چیلنج سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ احمد فراز کے اس شعر میں دریا اور بے ساحل سمندر کا استعارہ پشتونوں کے اسی عزائم سے بھرپور فلسفہ حیات کو پیش کرتا ہے۔ شعر کا پیغام یہ ہے کہ کسی ایک کامیاب مرحلے یا معرکے کو حتمی منزل نہ سمجھا جائے کیونکہ آگے ایک ایسا لامتناہی امتحان منتظر ہے جہاں ساحل نجات کا سہارا بھی میسر نہیں۔ جب پشتون فکری رویہ اردو غزل میں داخل ہوتا ہے تو غزل ساحل عافیت کی تلاش کے بجائے موج بلا میں کود پڑنے اور کٹھن ترین حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنے کا سبق دیتی ہے۔

سرو و صنوبر شہر کے مرتے جاتے ہیں
سارے پرندے ہجرت کرتے جاتے ہیں(۱۰)

پشتون ثقافت، اس کا جغرافیہ اور پختون ولی کا تہذیبی نظام ہمیشہ سے قدرت، پہاڑوں، بلند و بالا درختوں اور آزاد فضاؤں سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ پشتون خطہ صنوبر اور سرو کے تاریخی جنگلات کے لیے جانا جاتا ہے، جو طاقت، استقامت اور طویل عمری کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ اس شعر میں سرو و صنوبر کا مرنا اور پرندوں کا ہجرت کر جانا دراصل پشتون وطن کی اس تباہی اور المیے کا استعارہ ہے جہاں جنگ و جدل، نا امنی اور بارود کی بو نے فطری توازن اور پرامن زندگی کو نابود کر دیا ہے۔ پشتون کلچر میں صنوبر کا سوکھنا یا پرندوں کا دیس چھوڑ جانا محض ایک قدرتی واقعہ نہیں بلکہ قبیلے اور وطن کی بربادی اور اس کے باوقار وجود کے زوال کا سب سے بڑا المیہ مانا جاتا ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اردو غزل کے ممتاز شاعر قتیل شفائی کے کلام کا سب سے امتیازی اور درخشاں پہلو اس کی سادگی، برجستگی اور سلاست ہے۔ انہوں نے شعری اظہار کے لیے ایک ایسی شائستہ اور مانوس زبان کا انتخاب کیا جو عام قاری کے لیے بھی بآسانی فہم تھی، مگر اس کے باوجود وہ حقیقی شعری حلاوت اور فکری چاشنی سے مالامال تھی۔ ان کی شاعری میں رومانیت اور والہانہ محبت کے جذبات انتہائی لطیف اور دلکش پیرائے میں ڈھلے ہوئے ہیں، جہاں عشق کی باطنی کیفیات، ہجر و فراق اور وصل کے تجربات کے ساتھ ساتھ زندگی کے گہرے مشاہدات کو بھی نہایت فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے اشعار ایک دلپذیر آہنگ، موسیقیت اور بہاؤ کے حامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام گلوکاری اور موسیقی کی دنیا کے لیے انتہائی موزوں ثابت ہوا اور ان کی کئی یادگار غزلیں برصغیر کے نامور گلوکاروں کی آواز میں لازوال شہرت پا گئیں۔

قتیل شفائی چونکہ ہری پور ہزارہ کے پختون علاقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کی غزل میں پختون ثقافت اور روایات کے اثرات جابجا محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ان کے کلام میں پختون معاشرے کی مہمان نوازی، غیرت، وفاداری اور جذبہ محبت کی گہرائی جیسے عناصر ایک لطیف انداز میں سرایت کیے ہوئے ہیں جو ان کے اشعار کو ایک خاص جذباتی گہرائی عطا کرتے ہیں۔ پختون ثقافت میں رشتوں کی پاسداری اور تعلق کی سچائی کو جو اہمیت دی جاتی ہے، وہ قتیل کی غزل میں محبوب سے وابستگی اور عہد وفا کے بیان میں نمایاں طور پر جھلکتی ہے۔ اسی طرح پہاڑی علاقوں کی سادہ اور بے ساختہ زندگی، فطرت سے قربت، اور دیہی ماحول کی عکاسی بھی ان کے ہاں بالواسطہ طور پر ملتی ہے جس نے ان کی شاعری کو ایک مخصوص مٹی کی خوشبو اور زمینی حقیقت پسندی سے ہمکنار کیا۔ تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ قتیل شفائی نے اپنی شاعری میں کلاسیکی اردو غزل کی روایت کو مرکزی حیثیت دی اور پختون ثقافتی عناصر کو براہ راست موضوع بنانے کے بجائے انہیں اپنے مجموعی فکری و جذباتی اسلوب میں گھلا ملا دیا، جس سے ان کی شاعری میں مقامیت اور آفاقیت کا حسین امتزاج پیدا ہوا۔

آنکھ جمنا ہے مری اس کے کنارے آجا
میں نے بنوایا ہے اک تاج محل تیرے لیے
اپنا گھر غور سے دیکھا ہی نہیں تو نے قتیل
یہ تو دنیا میں ہے جنت کا بدل تیرے لیے(۱۱)

قتیل شفائی کے ان دو اشعار میں محبت کی وہ گہری اور وفادارانہ کیفیت نظر آتی ہے جو اردو غزل کی کلاسیکی روایت میں تو موجود ہے مگر پشتون ثقافت کی مہمان نوازی، غیرت ناموس اور اٹل وفا کے عناصر سے بھی ہم آہنگ ہو کر ایک نئی تہذیبی رنگت اختیار کر لیتی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ہے۔ پہلا شعر "آنکھ جمنا ہے مری اس کے کنارے آجا، میں نے بنوایا ہے اک تاج محل تیرے لیے" آنکھ کی ٹھنڈک اور انتظار کی طوالت کو ایک دریا کے کنارے کی مانند پیش کرتا ہے جہاں عاشق محبوب کو بلا رہا ہے کہ اس کی آنکھوں کے کنارے آکر ٹھہر جائے کیونکہ اس نے اس کے لیے تاج محل جیسالازوال یادگار بنار کھا ہے۔ تاج محل جو شہنشاہ شاہ جہاں کی ابدی محبت کا پتھر کا بنا مجسمہ ہے یہاں شاعر کی آنکھوں کے آنسوؤں اور نگاہوں کی شدت سے تعمیر ہوتا ہے۔ یہ تصویر پشتون ثقافت میں میل مستیا یعنی مہمان نوازی اور محبوب کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کی روایت سے ملتی جلتی ہے جہاں محبوب کو گھر کا سب سے معزز مہمان سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے دل کی دنیا کو جنت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اردو غزل پر پشتون اثرات اس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ فارسی اور ہندوستانی روایت کے رومانویت میں پشتون غیرت اور وفاداری کا عنصر شامل ہو کر عشق کو محض جذباتی نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور تہذیبی فریضہ بنا دیتا ہے، جیسا کہ پشتون لوک شاعری میں بھی محبوب کے لیے گھر اور جان کی قربانی کو فخر سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے شعر "اپنا گھر غور سے دیکھا ہی نہیں تو نے قتیل، یہ تو دنیا میں ہے جنت کا بدل تیرے لیے" میں شاعر محبوب کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ہی گھر کی قدر نہیں جانتی جو در حقیقت دنیا میں جنت کا متبادل ہے۔ یہاں گھر صرف اینٹ پتھر کی عمارت نہیں بلکہ عاشق کے دل کی وہ پناہ گاہ ہے جو محبوب کے لیے تیار کی گئی ہے اور جسے وہ غفلت سے دیکھے بغیر گزر جاتی ہے۔ یہ خیال پشتون ثقافت کے ننگ اور غیرت کے تصور سے گہرا رشتہ رکھتا ہے جہاں گھر خاندان کی عزت اور محبت کا مرکز ہوتا ہے اور اس کی حفاظت و قدر کرنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے گھر کی حقیقت کو نہ دیکھے تو وہ اپنی جنت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اردو غزل میں یہ انداز بیان روایتی معشوق کی بے توجہی اور عاشق کی شکایت کو پشتون تہذیب کی سادگی اور گہری وابستگی سے جوڑ دیتا ہے، جہاں عشق محض شاعرانہ تصور نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کا حصہ بن کر سامنے آتا ہے اور محبوب کو اپنی ہی دنیا کی حقیقی قدر یاد دلاتا ہے۔

گئے برس جو گیت سنا تھا ہریالے ساون سے
وہی گیت میں سننا چاہتا ہوں آج تیری جھانجھن سے
پورے چاند کی رات کو جب تو میرے پاس نہیں تھی
اگنی بان برستے دیکھے میں نے کرن کرن سے (۱۲)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ان اشعار میں موسم ساون کی ہریالی اور محبوب کی جھانجھن کی آواز کا حسین امتزاج پیش کیا گیا ہے جو اردو غزل کی روایتی رومانویت کو پشتون ثقافت کی فطرت پرستی اور لوک سنگیت کی گہری وابستگی سے جوڑ دیتا ہے۔ "گئے برس جو گیت سنا تھا ہریالے ساون سے، وہی گیت میں سنا چاہتا ہوں آج تیری جھانجھن سے" میں شاعر پچھلے برس کی مون سون کی بارشوں اور ہریالی سے سنا ہوا گیت آج محبوب کے پاؤں کی جھانجھن سے سننا چاہتا ہے۔ یہ خیال محض یادِ ماضی نہیں بلکہ عشق کی تازگی اور وفا کی طلب کو ظاہر کرتا ہے جہاں محبوب کا قدموں کا سنگیت خود موسم بن جاتا ہے۔ پشتون ثقافت میں فطرت، پہاڑوں کی آوازیں، بارشوں کا شور اور لوک نغمے محبت کے اظہار کا اہم حصہ ہیں اور اردو غزل پر ان اثرات کی وجہ سے روایتی ساون اور بارش کے استعارے زیادہ زمینی اور حسی ہو جاتے ہیں۔ جھانجھن کی چھنکار نہ صرف جسمانی موجودگی کی علامت بنتی ہے بلکہ پشتون مہمان نوازی اور محبوب کی آواز کو گھر کی رونق سمجھنے کی روایت سے بھی ہم آہنگ ہو کر عشق کو ایک تہذیبی تجربہ بنا دیتی ہے۔

دوسرے شعر "پورے چاند کی رات کو جب تو میرے پاس نہیں تھی، اگنی بان برستے دیکھے میں نے کرن کرن سے" میں چاندنی رات کی جدائی کو آگ کے تیروں کی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر کرن کو درد کا نشانہ بنا دیتی ہے۔ یہاں چاند جو عام طور پر حسن اور سکون کی علامت ہوتا ہے، محبوب کی غیر موجودگی میں آتشیں بن جاتا ہے اور اس کی کرنیں اگنی بان بن کر عاشق کے دل پر برستی ہیں۔ یہ شدتِ الم پشتون ثقافت کے ننگ اور غیرتِ عشق سے گہرا رشتہ رکھتی ہے جہاں جدائی صرف جسمانی نہیں بلکہ عزت اور وفا کا امتحان ہوتی ہے اور طبیعت کی خوبصورتی بھی دشمن بن سکتی ہے۔ اردو غزل میں چاند اور رات کے روایتی استعارے جب پشتون اثرات سے گزرتے ہیں تو ان میں پہاڑی علاقوں کی سخت آب و ہوا، رات کی تنہائی اور لوک شاعری کی آتشیں کیفیت شامل ہو جاتی ہے، جس سے محبت کی شکایت زیادہ حقیقی اور جذباتی ہو کر سامنے آتی ہے اور قاری محسوس کرتا ہے کہ محبوب کی غیر حاضری پوری کائنات کو جلا دینے والی طاقت رکھتی ہے۔

صحراؤں میں اک چھاؤں سی بکھراتی رہے گی
رت کوئی بھی ہو، زلف وہ لہراتی رہے گی(۱۳)

اس شعر "صحراؤں میں اک چھاؤں سی بکھراتی رہے گی، رُت کوئی بھی ہو، زلف وہ لہراتی رہے گی" میں محبوب کی زلفوں کو صحرا کی سخت فضا میں بھی ایک مستقل چھاؤں اور تازگی کا باعث قرار دیا گیا ہے جو ہر موسم میں لہراتی رہتی ہے اور کبھی ماند نہیں پڑتی۔ یہ تصویر اردو غزل کی روایتی زلفِ محبوب کی خوبصورتی کو ایک نئی تہذیبی گہرائی بخشتی ہے جہاں زلف محض حسن کا استعارہ نہیں بلکہ سخت حالات میں

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سکون اور پناہ کی علامت بن جاتی ہے۔ صحرا کی بے رحم گرمی اور خشکی کے باوجود وہ زلف چھاؤں بکھیرتی رہتی ہے اور ہر رت میں اپنی روانی برقرار رکھتی ہے۔ پشتون ثقافت کے اثرات سے یہ تصور مزید شدت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ پشتون علاقوں کے پہاڑی صحراؤں، خشک وادیوں اور سخت آب وہوا میں فطرت کی سختی کے باوجود حسن اور وفا کی موجودگی کو ایک اخلاقی اور جذباتی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ یہاں زلف کی لہریں پشتون لوک شاعری کی اس روایت سے ملتی جلتی ہیں جہاں محبوب کی موجودگی سخت ترین ماحول میں بھی سایہ اور سکون بن جاتی ہے۔

قتیل اکثر یہ دیکھا ہے کسی مفلس کے آنگن میں
برات آئے تو اس کے ساتھ شہنائی نہیں ہوتی(۱۴)

پشتون ثقافت میں ننگی، غیرت اور اجتماعی ذمہ داری کی روایات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ خوشی اور غم سب کے مشترکہ ہیں، مگر طبقاتی فرق ان روایات کو بھی چیلنج کرتا ہے اور اسی لیے اردو غزل پر ان اثرات کی وجہ سے برات اور شہنائی کا استعارہ صرف شادی کی رسم نہیں رہتا بلکہ معاشرتی ناانصافی اور مفلسی کی تلخی بن جاتا ہے۔ اس شعر میں مفلس کے آنگن کا خیال پشتون علاقوں کے سادہ گھروں اور قبائلی اجتماعات کی یاد دلاتا ہے جہاں برات آنا تو ایک بڑی بات ہے مگر شہنائی کی غیر موجودگی اس بات کی علامت ہے کہ خوشی بھی وسائل کی محتاج ہوتی ہے۔ شاعر اکثر یہ منظر دیکھتا ہے جو اس کی مشاہداتی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔ اردو غزل جب اس ثقافتی پس منظر سے گزرتی ہے تو اس میں روایتی شادی اور سنگیت کے استعارے زیادہ حقیقی اور تنقیدی ہو جاتے ہیں جہاں مفلسی نہ صرف جسمانی غربت ہے بلکہ خوشی کے روایتی اظہار کو بھی چھین لیتی ہے اور قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ معاشرتی ڈھانچہ کس طرح خوشیوں کو بھی طبقاتی بنا دیتا ہے۔

باندھ لوں میں بھی تری یاد کے گھنگھرو لیکن
رقص کرنا بھی تڑپنے سے نہیں کم جاناں(۱۵)

پشتون ثقافت میں رقص اور موسیقی محض تفریح یا فارغ اوقات کا مشغلہ نہیں بلکہ انسان کے اندرونی وجد، جذباتی طغیانی، درد اور غم کے اظہار کا ایک مقدس و طبعی ذریعہ ہیں۔ پشتون معاشرے میں اتن یا دیگر روایتی رقص خوشی کے موقع پر جذبات کے اظہار اور غم کی حالت میں دربار درون کی تڑپ کو برملائی عطا کرنے کی علامت ہوتے ہیں۔ جب قتیل شفائی کہتے ہیں کہ "باندھ لوں میں بھی تری یاد کے

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

گھنگھرو لیکن "تو یہ دراصل پشتون جذباتی روایت اور اس کے فنکارانہ اظہار کے اسی سانچے کی عکاسی کرتا ہے جہاں اپنے اندرونی کرب اور محبوب کی یاد کو جسمانی وروحی وجد میں ڈھالنے کا میلان پایا جاتا ہے۔ گھنگھرو باندھنا دراصل تڑپ اور دکھ کو ایک علامتی وفنکارانہ جلا دینے کی کوشش ہے، مگر اس میں جو عزم اور وابستگی ہے، وہ پشتون روایات کی اس پختگی اور جذباتی شدت کو ظاہر کرتی ہے جو محبوب کی یاد کو کسی معمولی واقعے کے بجائے ایک مسلسل تخلیقی وروحی تجربہ بنا دیتی ہے۔

جب تپتے لاہور میں، چڑھے مہینہ چیت
آئیں یاد قتیل کو ہری پور کے کھیت(۱۷)

اردو غزل کی تاریخ پر جب ہم شمالی ہند اور خصوصاً خیبر پختونخوا اور ہزارہ کے سرحدی علاقوں کے ثقافتی اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ان علاقوں کے شعرا نے غزل کو محض لفظی نفاست یا عجمیت کی روایتی علامتوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں اپنے آبائی وطن کی مٹی، فطرت، بوم اور پشتون تہذیبی نفسیات کی خوشبو کو بھی شامل کیا۔ قتیل شفائی کا تعلق ہزارہ سے تھا جو جغرافیائی، تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے پشتون اور ہندکو روایات کا ایک مضبوط سنگم رہا ہے۔ "جب تپتے لاہور میں چڑھے مہینہ چیت / آئیں یاد قتیل کو ہری پور کے کھیت "کا یہ بیت ظاہری طور پر دیارِ غیر میں وطن یا جنم بھومی کی یاد کا اظہار ہے لیکن اس کی گہرائی میں اردو غزل پر پشتون تہذیبی شعور، مٹی سے اٹوٹ وابستگی اور فطرت پرستی کے وہ اثرات کارفرما ہیں جو اس خطے کے مزاج کا بنیادی حصہ ہیں۔ پشتون ثقافت کی یہ اخلاقی وفکری دین ہے کہ اس نے اپنے شاعروں کو اپنی جڑوں سے کٹ کر جینے کے بجائے اپنی مٹی پر فخر کرنا اور سخت سے سخت حالات میں بھی اپنی جنم بھومی کی یاد کو دل سے لگائے رکھنا سکھایا۔ قتیل کا یہ شعر اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ پشتون خطے کی مٹی کی خوشبو اور وہاں کی فطری خوبصورتی کسی طرح اردو غزل کو معنوی، حسی اور مقامی وسعتیں عطا کرتی ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

حوالہ جات

1۔ عبدالباری، ڈاکٹر، لکھنو کے شعر و ادب کا معاشرتی و ثقافتی پس منظر، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2006ء، ص ۱۲
2۔ پریشان خٹک، پروفیسر، پشتون کون؟ پشاور: پشاور یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۶-۱۳۵
3۔ ایضاً، ص ۱۳۶
4۔ احمد فراز، بے آواز گلی کوچوں میں، لاہور: ماورا پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۹۸
5۔ ایضاً، ص ۱۲
6۔ ایضاً، ص ۲۶
7۔ ایضاً، ص ۶۰
8۔ ایضاً، ص ۱۰۶
9۔ احمد فراز، کلیات احمد فراز، نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۱۰، ص ۹۵
10۔ ایضاً، ص ۲۹
11۔ قتیل شفائی، برگد، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴، ص ۲۲
12۔ ایضاً، ص ۳۹
13۔ ایضاً، ص ۸۱
14۔ ایضاً، ص ۱۰۳
15۔ ایضاً، ص ۱۱۰
16۔ ایضاً، ص ۲۴۱